ڈاکٹر خالد اقبال یاسر (تمغائے امتیاز)
صدر شعبہ ، ترجمہ وتفہیم،
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

دفتری اردو میں ترجمے کی مشکلات

Dr Khalid Iqbal Yasir (Hilal-e-Imtiaz)
Head of Department Translation,
National University of Modern Languages, Islamabad.

Urdu used in official documentation difficulties of translation,Urdu Translation-Tradition & Urdu Translation

Impediments in Placement of Urdu as an Official Language

The paper primarily deals with issues in translation with specific reference to Urdu as official language of Pakistan in the backdrop of the recent decision of the Supreme Court of Pakistan on Constitutional Petition No. 112 of 2012.

It has been argued that a huge material has already been produced by the translators over the last two hundred years, which is required to be tested and improved by implementing the relevant decision of the Supreme Court. Urdu has been used successfully in various parts of pre-partition India as official language and medium of instruction during quite prolonged intervals. Even now Urdu is partially being used as official and judicial language of Pakistan. As such, we may not have to rely only on translation and retranslation of legal and official terms, expressions and phrases. The professionals may compile a standardized extensive dictionary and samples of all kinds of legal and official forms, profomas and correspondence

with the help of available material to bring uniformity in usage and application of the translated or original texts. Trained translators are capable to cope with the semiotic impediments that arise in the process of translation. There are complexities and puzzles but there are strategies and techniques as well to reach definitive solutions. The real hindrances are political, administrative and financial. These bottlenecks are created by the ruling elites who are using English language as a tool to perpetuate their dominance and hegemony over general masses.

Policy contractions and so many cross cutting education systems have also played havoc with our narrative and rhetoric. Lack of political will is the decisive obstacle in adopting Urdu as medium of instruction and official language of Pakistan. Necessary legislation to implement the relevant article of the Constitution has never been brought on agenda of the Parliament.

The paper therefore, relates the linguistic problems and their solutions with administrative and financial measures simultaneously to remove the barriers and pave the way for implementing the aforementioned decision and the article 251 of the Constitution of Pakistan without further inordinate delay.

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

پہلا سوال تو یہ ہے کہ جب اردو ہماری اپنی زبان ہے تو اسے بطور دفتری زبان رائج کرنے کے لیے تراجم کی کیا ضرورت ہے۔ ترجمے کی ضرورت تو پرائی زبان کو رائج کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ ہم اردو میں سوچیں، اردو میں لکھیں اور اردو ہی پڑھیں تو ہم اردو میں ہر طرح سے اظہار خیال کر سکتے ہیں۔ آخر اردو بطور دفتری زبان پہلے بھی تو برصغیر کے کچھ حصوں میں رائج رہی ہے اور آج بھی ہمارے دفتری اور عدالتی نظام میں جزوی طور پر زیر استعمال ہے۔

اگر ترجمہ ہی ضروری ہے تو ترجمے کے بارے میں سب سے پہلے یہ عمومی مغالطہ دور کرنے کی ضرورت ہے کہ کسی مخصوص زبان میں کسی بہتر درجے کی استعداد حاصل کرنے والا اس زبان میں ترجمے پر بھی قادر ہو سکتا ہے۔ بیک وقت دو زبانوں پر عبور رکھنے والا (Bilingual) بھی لازم نہیں کہ اچھا مترجم ہو۔ ''ضروری نہیں کہ نظری تربیت بہر نوع کامیابی کی ضمانت دے۔'' تاہم پیشہ ور مترجم بننے کے لیے ترجمے کے فن کے اسرار و رموز سے واقفیت بہر حال درکار ہوتی ہے۔(۱) ترجمہ لسانیات کے میدان میں مشکل ترین کاموں میں سے ایک ہے لیکن اتنا ناممکن ہرگز نہیں جتنا اس بارے میں ہمارے نئے پرانے ماہرین لسانیات واویلا کرتے رہے ہیں۔ دراصل تراجم کی اتنی ہی قسمیں ہیں جتنی نوعیّتوں کے بیانیے (Narrative) سے لوگوں کو عملی زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔ کوئی مترجم، ترجمے کے فن میں مہارت کے باوجود بیانیے کی ہر قسم کے تراجم پر عام طور پر عبور نہیں رکھتا۔ اس لیے دفتری مواد کے مترجمین الگ ہونا چاہئیں۔

اصل متن کی اغلاط اور ترجمے کے مسائل کو بھی مترجم نظر انداز نہیں کر سکتا۔ مترجمین کی ترجمے کی مہارت اور متعلقہ دوزبانوں پر عبور کی سطحیں بھی ترجمے کے معیار میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ مترجم کی وسعتِ نظر اور وسیع المشربی کے ساتھ ساتھ لسانی تنگ نظری بھی ترجمے پر اپنا مثبت یا منفی اثر چھوڑتی ہے۔ بیانیے کی اہم قسموں میں علمی، تکنیکی، قانونی، دفتری، دینی، ادبی اور اخباری بیانیے شامل ہیں۔ اردو زبان میں ہر قسم کے مترجمین موجود ہیں، مگر ان میں سے زیادہ تر ترجمے کے فن میں باقاعدہ تربیت یافتہ نہیں ہیں۔ اس لیے ان میں اپنے ہی ترجمے کے بارے میں وہ اعتماد اور یقین نہیں ملتا جو ایک تربیت یافتہ مترجم میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی مہارت کی بنیاد پر اپنے ترجمے کا دفاع کر سکتا ہے۔

اردو پاکستان کی قومی زبان صرف تقریروں کی حد تک ہے۔ اسے مکمل طور پر بطور دفتری اور قومی زبان نافذ کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ پاکستان ایک کثیر اللسانی معاشرہ ہے اور اردو پاکستان کے کسی بھی خطے کی زبان نہیں ہے۔

> اردو کی سرزمین بھارت میں رہ گئی۔ البتہ اردو بولنے والوں کی ایک معقول تعداد مہاجرت کے بعد کراچی، حیدرآباد اور سکھر میں بس گئی۔ اس طرح پاکستان میں اردو بولنے والا طبقہ وجود میں آیا۔ اردو زبان دانی اور اہل زبان ہونے کے دعویداروں کی کثیر اللسانی معاشرے میں اردو کو خالص رکھنے کی کوششیں اور تہذیبی برتری کا غلط یا صحیح خمار بھی دوسری پاکستانی زبانیں بولنے والوں میں اردو کے فروغ اور نفاذ کے بارے میں ذہنی اور عملی رکاوٹیں پیدا کرتا رہا ہے۔
> جمہوریت ہو یا آمریت انگریزی زبان اقتدار اور ملکی وسائل پر قبضے کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ عدالت عظمٰی کا نقطۂ نظر اس معاملے میں بہت واضح ہے۔ عدالت عظمٰی کے فاضل منصفین کی دانش بھی ہماری اجتماعی مسلّمہ دانش کا حصہ ہے کہ ''ایک غیر ملکی زبان میں لوگوں پر حکم صادر کرنا محض اتفاق نہیں۔ یہ سامراجیت کا ایک پرانا اور آزمودہ نسخہ ہے۔''(۲)

ہر زبان اپنی روح میں غیر مقامی ہوتی ہے لیکن لارڈ میکالے کی طرح یہی حکمرانہ ذہنیت ایک غیر ملکی حکمران طبقے کی زبان کو اپنی نو آبادیوں میں نافذ کرنے کے لیے زبان کہتی ہے اور وسیع آبادی میں بولی اور سمجھی جانے والی زبانوں کو محدود مقامی اور دیسی زبانیں بلکہ لہجے قرار دیتی

ہے۔ جسے انگریزی میں ورنیکلر کہا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ ورنیکلر (Vernacular) کا ایک مطلب مقامی نوعیت کی بیماری بھی ہے۔ (۳)

مقامی زبانوں کی تحقیر کے نتیجے میں پاکستانی معاشرے میں ''ایک طبقاتی تفریق نے جنم لیا ہے۔ جس نے ایک قلیل مگر قوی اور غالب اقلیت (جو انگریزی جانتی ہے اور عنانِ حکومت سنبھالے ہوئے ہے) اور عوام الناس (جو انگریزی سے آشنا نہیں) کے درمیان ایک ایسی خلیج پیدا کر دی ہے جو کسی طور پر بھی قومی یکجہتی کے لیے سازگار نہیں'' (۴)

عوام کے لیے ''پیچیدہ''، ''ناقابل فہم''، ''پرائی زبان'' کے استعمال سے ان کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے۔ وہ انگریزی زبان اور انگریزی دان طبقے کی بالادستی کی وجہ سے ''قانونی ضوابط اور آئینی حقوق اور ان کے بارے میں صادر کیے گئے فیصلوں کو براہِ راست سمجھنے کا حق'' استعمال کرنے سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ (۵)

اس لیے انگریزی ذریعۂ تعلیم اور مغربی نظام تعلیم کے تحت چلنے والے تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل یہ محدود اشرافیائی طبقہ بھی میکالے کی پیروی میں اردو اور دوسری پاکستانی زبانوں کے درمیان خواہ مخواہ کی آویزش کو ہوا دیتا ہے تاکہ کمزور طبقات اپنی محرومیوں کے ازالے کے لیے ان کی طرف متوجہ نہ ہوں اور لسانی تعصّبات ہی میں الجھے رہیں۔

بایں ہمہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اردو زبان کے ارتقاء میں اردو دان طبقے نے بہت محنت کی ہے۔ یہ بھی ایک عجیب وغریب کیفیت ہے کہ مختلف زبانیں بولنے والے زبان کی بنیاد پر اپنی حق تلفیوں پر شور وغوغا تو بہت کرتے ہیں لیکن اپنی مادری زبان کو جدید زبانوں کے برابر لانے کے لیے کوئی عملی تگ ودو نہیں کرتے۔ ان علاقوں یا صوبوں کی حکومتیں ان زبانوں کے فروغ اور ارتقاء کے لیے بامقصد ادارے قائم کرنے سے گریزاں ہیں اور ایک دو نیم سرکاری یا نجی لسانی اور ادبی تنظیموں کو معمولی سی مالی امداد فراہم کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ اپنے صوبے کی زبان یا زبانوں کے فروغ کے لیے اقدامات ان کا آئینی فریضہ ہے۔ (۶) صرف سندھ ایک ایسا صوبہ ہے جس نے سندھی زبان کے فروغ کے لیے سنجیدگی سے کام لیا ہے۔

پاکستانی زبانوں سے اسی بے نیازی کے باعث اردو زبان کا ارتقا جامد نہیں ہوا تو سست ضرور ہو گیا ہے۔ ورنہ اسے بطور قومی زبان ہندی، عربی اور فارسی کے امتزاج کے بعد پاکستانی زبانوں کے الفاظ، محاورات اور ترکیبوں کی آمیزش سے اور زیادہ متمول بنایا جا سکتا تھا۔ اردو کے بڑی زبان بننے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ کے انجذاب کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد اردو بولنے والوں کی ناعاقبت اندیشی کے باوجود اردو کے ذخیرۂ الفاظ میں پاکستانی زبانوں کے الفاظ کسی قومی لسانی پالیسی کی عدم موجودگی کے بغیر بھی غیر محسوس طور پر شامل ہو رہے ہیں۔ ان پاکستانی زبانوں کی کس مپرسی اور متعلقہ صوبوں کی اپنی ہی زبانوں سے بے نیازی کو دیکھتے ہوئے ان زبانوں کا جمود ٹوٹنے اور ترقی کرتے ہوئے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی توقع مستقبل قریب تو کیا مستقبل بعید میں بھی نہیں کی جا سکتی۔

چنانچہ ان حالات میں اردو ہی ہمارے لیے واحد زبان ہے جو ارتقا کے مراحل میں اپنی اندرونی صلاحیت کے

باعث اڑان بھرنے کی منزل تک آ پہنچی ہے۔ پاکستان کی لسانی تاریخ میں بار بار ایسے مرحلے آئے لیکن مختلف حیلے بہانے تراش کر اسے باقاعدہ طور پر دفتری یا سرکاری زبان قرار دینے سے اجتناب کیا جاتا رہا۔ یہ کوئی جذبہ یا تاثر نہیں ایک حقیقت ہے کہ اردو پہلے ہی سے عملی طور پر ہماری سرکاری اور دفتری زبان ہے۔ زیریں عدلیہ میں تو اردو کو رائج ہوئے سو سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے۔ اعلیٰ عدلیہ میں بھی انگریزی صرف فیصلوں کی حد تک استعمال ہوتی ہے۔ پاکستان کے طول و عرض میں سرکاری دفاتر میں صبح و شام اردو یا دوسری پاکستانی زبانوں میں تبادلۂ خیال ہوتا ہے، زبانی ہدایات جاری کی جاتی ہیں۔ صرف کاغذ پر غلط ملط انگریزی لکھ کر کارروائی پوری کر لی جاتی ہے۔ محکمہ مال اور محکمہ پولیس والے اردو ہی سے کام چلاتے ہیں۔

کیا ہم نہیں جانتے کہ ہندوستان کی تقسیم سے پہلے ریاست حیدرآباد دکن میں اردو کو بطور دفتری اور تعلیمی زبان استعمال کرنے کا تجربہ کامیابی سے جاری تھا۔ ریاست بہاولپور نے بھی اردو زبان کی سرپرستی جاری رکھی۔ آج بھی بھارت کی چھ ریاستوں میں اردو کی سرکاری حیثیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان ریاستوں میں اُتر پردیش، بہار، تلنگانہ، جموں اور کشمیر کے علاوہ مرکز کے زیرِ اہتمام دہلی کے علاقے شامل ہیں۔ (۷) پورے بھارت میں اردو اکادمیوں کی تعداد چھبیس سے زائد ہے۔ ان کا مجموعی بجٹ اربوں میں ہے جبکہ ہم تمام لسانی اداروں کو مجموعی طور پر چند کروڑ دے کر اپنے آئینی فرض سے سبک دوش ہو جاتے ہیں۔

انگریزی نے اردو کو فارسی کے متبادل کے طور پر ۱۸۴۶ء میں سرکاری زبانوں میں شامل کیا تھا۔ متحدہ پنجاب میں اردو کو ۱۸۴۹ء میں سرکاری زبانوں میں سے ایک تسلیم کیا گیا۔ (۸) اردو اس وقت بھی حکومت کی بے اعتنائی کے باوجود پاکستان کی دو سرکاری زبانوں میں سے ایک ہے۔ کیا دنیا میں ایسے ممالک موجود نہیں جہاں دو دو سرکاری زبانیں ہیں۔ اس لیے اردو کو باقاعدہ سرکاری زبان تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اب بھی پاکستان میں لگ بھگ سارے عدالتی اور دفتری فارم، چالان، جدولیں، مجلکے وغیرہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں ملتے ہیں اور ہمہ وقت پُر ہو کر قبول کیے جاتے ہیں۔ اردو میں ہر طرح کی علمی، تعلیمی، طبی، تکنیکی، ادبی، سائنسی، دفتری، عدالتی، قانونی اصطلاحات انیسویں صدی سے وضع ہو رہی ہیں۔ اب تو ان کی صرف تکرار در تکرار ہو رہی ہے۔ لیکن ہماری حکومتیں ہیں کہ اردو کی اس صلاحیت کو مان کر اسے بطور دفتری زبان رائج کرنے میں التواء کے روایتی طریقوں سے کام لے رہی ہے۔ مجھے یہ گھسا پٹا مگر مسلّمہ لسانی اصول دہرانے کی اجازت دیجیے کہ مادری یا کسی معاشرے کی ملکی یا دیسی (Native) زبان کے علاوہ کسی غیر زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کا تصور ایک آفاقی تصور ہے۔ اس طرح دفتری زبان بھی اس ملک کی اپنی زبان ہوا کرتی ہے۔ ہماری حکومتوں نے بطور ذریعۂ تعلیم اردو کو رواج دینے میں تامّل کیا اور پھر نیم دلی سے انگریزی کو بطور ذریعہ تعلیم رائج کرنے کا تجربہ کیا۔ جسے ہمارا کمزور اور تضادات سے آلودہ تعلیمی نظام برداشت نہ کر سکا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری اردو کمزور سے کمزور تر ہو گئی ہے اور انگریزی ہمیں آ نہ سکی۔ چنانچہ اندرونی اور بیرونی دونوں محاذوں پر ہم ہر میدان میں اظہار کی کمزوری کے باعث منھ کی کھا رہے ہیں۔ ہر عالمی فورم پر ہماری زبان و بیان کی کمزوریاں ہمیں ڈھول چٹا رہی ہیں۔ اردو اگر جزوی طور پر ہماری دوسری سرکاری زبان ہے تو صرف اپنی پرانی کارکردگی اور اصطلاحات، محاورات اور الفاظ کے وسیع ذخیرے کی وجہ سے ہے جو اب تک ہمارا ساتھ دے رہا ہے۔

ان گنت اردو لغات، دفتری ترکیبات، محاورات، فقرات اور اصطلاحات سے اٹے پڑے ہیں۔ یہ دو صدیوں کی انفرادی اور اجتماعی کاوشوں کا حاصل ہے۔ ہر نوع کی سرکاری خط و کتابت اور نیم سرکاری مراسلات کے اردو نمونے بار بار استعمال کے لیے پیش کیے جاتے ہیں لیکن انہیں استعمال میں لائے بغیر نئے مترجمین کو وہی کام دوبارہ تفویض کر دیا جاتا ہے۔ مترجمین بھی پرانی فرہنگوں اور لغات سے گرد جھاڑ کر وہی کچھ دوبارہ متعلقہ اداروں، محکموں اور دفاتر وں کو پیش کر کے معاوضہ کھرا کر لیتے ہیں جو اتنا زیادہ نہیں ہوتا کہ اس سے اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکیں۔ اس لیے مترجمین بھی جُز وقتی ہوتے ہیں اور ان میں ترجمے کی پیشہ ورانہ صلاحیت بھی نہیں ہوتی۔ اتنا ضرور ہے کہ بار بار ایک جیسی مستند فرہنگوں اور مواد سے نقل کے باعث ترجموں میں یکسانیت زیادہ ہے اور اختلاف کم۔ اب تک ہونے والے بے شمار تراجم کے جائزے کے لیے محض ایک مجلس استناد کی ضرورت ہے جو اصطلاحات، محاورات، ترکیبات اور مراسلات کے مستند تراجم پر مبنی ایک ایسی مبسوط اور جامع لغت مرتب کرے جو ملک بھر کے سرکاری دفاتر کو فراہم کر دی جائے۔ آئندہ کسی ترجمے پر اختلاف کی صورت میں کسی طے شدہ ادارے سے رجوع کیا جائے۔ مجلس زبان دفتری پنجاب نے ایسی ایک ضخیم فرہنگ مرتب بھی کر رکھی ہے جسے اس مقصد کے لیے بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔

یہ خیال رہے کہ ان میں سے بیشتر اصلاحات اور مراسلت برصغیر میں کہیں نہ کہیں کامیابی سے زیر استعمال رہی ہیں۔ بیچ میں وقفوں کے باوجود اب بھی ہمارے دفتری اور سرکاری ماحول میں ان اصطلاحات اور انداز مراسلت کی گونج باقی ہے۔ چنانچہ پہلے سے موجود اصطلاحات میں سے زیادہ تر دوبارہ استعمال میں لائی جا سکتی ہیں۔ نئے تراجم کی ضرورت بہت کم ہو گئی ہے۔ پرانے تراجم پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے پرانے تجربات کی روشنی میں ترجمے کے مسائل کامیابی سے حل کیے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ:

- ☆ مترجم تربیت یافتہ ہو اور ترجمے کی مختلف ترکیبوں سے واقف ہو۔
- ☆ اسے دونوں زبانوں پر کامل عبور حاصل ہو۔
- ☆ وہ اپنی زبان کے بارے میں پراعتماد ہو اور انگریزی سے مرعوب نہ ہو۔
- ☆ ثقافتی تفریق سے آشنا لیکن متعصب نہ ہو، اگر اردو میں کوئی آسان، قابلِ فہم اور قابلِ قبول متبادل لفظ یا محاورہ یا ترکیب نہ ملے تو انگریزی ترکیب کو اردو صوتیات اور حروفِ تہجی میں درج کرنے سے نہ کترائے۔
- ☆ عربی اور فارسی الفاظ سے بھی استفادہ کرنا جانتا ہو اور پاکستان کی دوسری زبانوں کے الفاظ بھی اردو کے ذخیرۂ الفاظ میں شامل کرنے میں تامل سے کام نہ لے۔
- ☆ رموزِ اوقاف کو سلیقے سے استعمال کرے۔
- ☆ جن انگریزی اصطلاحات، اداروں کے نام اور ترکیبیں ہمارے ہاں عام ہو گئی ہیں، انہیں اسی طرح باقی رہنے دے۔

> ہمارے پیشہ ور مترجمین ترجموں کے عمومی اور خصوصی طریقوں سے آشنا ہیں جن میں سے لفظی ترجمہ، معنوی یا لغوی ترجمہ، نئی تراکیب اور معیاری اصطلاحات سازی، اصطلاحات کا توضیحی ترجمہ، ترجمے میں رکاوٹ پر وہی یا ملتے جلتے مستعار الفاظ کا استعمال اور سیاق و سباق کا لحاظ دفتری اور قانونی ترجمے کے لیے کارآمد ہیں۔ کسی ترجمے پر اعتراض کی صورت میں پیشہ ور مترجم شافی جواب بھی اعتماد سے دینے کے قابل ہوتا ہے۔ (۹)

دفتری زبان کے طور پر اردو کو رائج کرنے کے لیے مترجمین سے ان مسائل کو حل کرنے کی توقع کی جاتی ہے:

الف) اردو ترجمے کے دوران انگریزی میں سوچنے کی عادت کیسے ترک کی جائے۔ ہوسکتا ہے اس سے ہمیں اپنی ضروریات کے مطابق زیادہ بہتر الفاظ مل سکیں۔

ب) کیا ہر ادارہ اپنے اندرونی نظام میں بھی وہی نام، اصطلاحات اور فقرات استعمال کرنے کے لیے آمادہ ہے جو پورے ملک کے دفتری نظام کے لیے قابلِ قبول ہوں۔

ج) ترجمے یا مترادف کے استعمال میں رواج، روایت اور اجتماعی مزاج کو بھی سامنے رکھنا چاہیے یا نہیں۔(۱۰)

ترجمے کے بارے میں ان سوالات کے جوابات اس مترجم کے لیے آسان ہوتے ہیں جو پہلے لفظ کے معنوی لحاظ سے مساوی لفظ ترجمے کی زبان میں ڈھونڈے، مساوی لفظ نہ ملے تو ماورائے لفظ ترجمے پر قادر ہو ورنہ تجویزی (Propositional) مضمر (Presupossed) اور موثر (Evoked) معانی میں امتیاز کرے۔ اس طرح وہ معنوی حد بندیوں اور لغوی ترتیب میں درست اسم اور فعل کی صحیح مقام پر استعمال میں حائل مشکل سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکے گا۔ مترجم لفظی سطح سے اوپر اٹھ کر ترجمے کی زبان میں مفہوم اور معانی کی قریب ترین الفاظ کی موزوں ترین ترتیب کے ذریعے ترسیل کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس تکنیک کو انگریزی میں Collocation اور Calque کہتے ہیں جو مانوس اور عام طور پر استعمال میں آنے والے الفاظ پر مبنی ہوتی ہے لیکن بہت سے الفاظ پیشے، علم یا تکنیک سے مخصوص ہوتے ہیں اور ایسے الفاظ کے درمیان معنوی ربط یا لسانی نفاست کم درجے کی ہوتی ہے۔ یہ لفظ کسی مخصوص دفتری یا پیشہ ورانہ الفاظ کی فہرست میں شامل ہوتے ہیں اور انہیں متن کی مناسبت سے موزوں طور پر استعمال کا سلیقہ بھی ترجمے کی ایک اہم تکنیک ہے۔ اگر ترجمہ نگار بند گلی میں داخل ہو جائے تو اس کے لیے بعینہٖ ترجمے کی زبان میں منتقلی (Transliteration) کا طریقہ موجود ہے، جو ہر بڑی زبان میں رائج ہے اور وہ لفظ ترجمے کی زبان میں اسی کے لہجے میں شامل ہو جاتا ہے۔

وہی مترجم صرفی و نحوی مساوات کے قابل ہوتا ہے جو ذولسانی مہارت کا حامل ہو۔ اس مہارت سے اعداد، تذکیر و تانیث، اسم ضمیر، افعال اور ندائیہ کلمات کی جزئیات سے واقفیت مراد ہوتی ہے۔ فقرے کی صرفی اور نحوی ترتیب کا شعور، فقروں کے درمیان ربط اور پوری عبارت میں تسلسل ایک اچھے مترجم کی نشانی ہے۔

ترجمے اور مترجم کی اخلاقیات بھی طے شدہ ہیں۔ لیکن بطور ایک علم اور تکنیک ترجمے کے نظری اور عملی پہلوؤں پر اس سے زیادہ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اس کے سرسری ذکر سے حکومتی حلقوں اور تعلیمی اداروں خاص طور پر جامعات کو یہ باور کروانا مقصود ہے کہ اردو کو بطور دفتری زبان باقاعدہ طور پر رائج کرنے کے لیے مستقل اور روزمرہ استعمال میں آنے والے مختلف نوعیّت کے متون کا ترجمہ ممکن ہے بلکہ اس کے قابلِ قبول تراجم پہلے سے دستیاب ہیں۔ یہ تراجم چند ایک سرکاری اداروں اور بے شمار مترجمین کی دوصدیوں کی انفرادی کاوشوں کا حاصل ہیں۔ یہ کام یادگار، عظیم الشان اور پائیدار ہے۔ اسے آزمائے بغیر یوں نہ گنوائیے۔ ایسا وسیع کام دوبارہ شروع کر کے مکمل کرنے میں دوصدیاں نہ سہی پانچ سات دہائیاں ضرور صرف ہوں گی۔ یوں بھی ایسا کام کبھی مکمل نہیں ہوتا مسلسل جاری رہتا ہے۔ موجود دفتری مواد میں آئے روز ترمیم و اضافے بھی ہوتے رہتے ہیں اور نیا مواد بھی پیدا ہوتا رہتا ہے۔

مترجمین کے مسائل اور بھی ہیں، انگریزی کو ہماری اشرافیہ حکمرانی کے تسلسل اور غلبے کے لیے ایک آلے کے طور پر

استعمال کر رہی ہے۔ اردو معیار کی قابلِ لحاظ سطح پر پہنچنے کے باوجود مزید ترقی کے قابل نہیں رہنے دی گئی بلکہ اب تو اس کی لسانی نفاست اور املا کی صوتیات کو بے دردی سے مجروح اور ضائع کیا جا رہا ہے جو اس نے صدیوں کی ریاضت سے حاصل کی تھی۔ ہماری حکومتیں اردو سے بچنے کی کوششیں سنجیدگی سے کرتی رہی ہیں اور اسے نافذ کرنے کے لیے انہوں نے رسمی کاروائیوں کے سوا کچھ نہیں کیا۔ اس ضمن میں بے اختیار اور غیر موثر ادارے قائم کر کے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ ان اداروں کے سالانہ تخمینہ جات کی رقوم اتنی کم ہیں کہ ملازمین کی تنخواہیں بھی پوری نہیں ہو رہیں۔ جس کی وجہ سے بعض معاملہ فہم افسران نے ان اداروں کو سرکاری محکمہ قرار دلوانے میں ادارے کی علمی آزادی کی قیمت پر رکاوٹ نہیں ڈالی تا کہ ان کے ملازمین بھوکے نہ رہیں۔ ان دنوں تو یہ ادارے بیوروکریسی کے باقاعدہ افسروں کو کُھڈّے لائن لگانے، ترقی کو موثر بنانے یا شہر سے باہر تبادلے سے بچانے کے لیے استعمال ہو رہے ہیں اور پیشہ ور ماہرین کو ان کی سربراہی سونپی نہیں جا رہی۔

ایک اور مسئلہ یہ بھی ہے کہ اردو کے فروغ کے لیے قائم اداروں کے سربراہ، اُردو ادب کے اساتذہ میں سے تلاش کیے جاتے ہیں حالانکہ ادب بیانیے کی بہت سی اقسام میں سے محض ایک قسم ہے۔ یہ اساتذہ ان اداروں میں چور دروازے سے تعینات ہو کر اپنی محرومیوں کا ازالہ کرتے ہیں اور اپنے اپنے ذاتی شوق پورے کرتے ہیں۔ اُردو کے ادیب بھی اداروں کے مقاصد تہ کر کے ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور ذاتی مشہوری سرکاری وسائل سے کرنے لگتے ہیں۔ جبکہ اردو کی استادی، شاعری اور ترجمہ کاری الگ الگ شعبے ہیں، ہر شعبے کی مہارت مختلف ہے۔ ایسے طالع آزماؤں کو دفتری نظم وضبط اور انتظامی طریقہ کار کا ادراک بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکام رہتے ہیں۔

انگریزی حکمران طبقوں کی حکمرانی کے تسلسل کی ضمانت ہے۔ عدالتِ عظمیٰ پر واضح ہے کہ حکومتی طبقے حکومت کے ایک آلے کے طور پر انگریزی ترک کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مقتدرہ قومی زبان کی اردو زبان کے نفاذ کے بارے میں ۱۹۸۱ء کی سفارشات پینتیس سال پرانی ہیں لیکن ان سفارشات کے ایک محدود حصے کو فوری قلیل مدتی اقدامات کے طور پنافذ کرنے کے لیے صرف ابتدائی اور بعض علامتی اقدامات کی دس ہدایات کابینہ ڈویژن نے ٦ جولائی ۲۰۱۵ء کو جاری کی ہیں۔ ان ہدایات پر کوئی ادارہ کان دھرنے کے لیے تیار نہیں۔ بہت سی ہدایات پر عمل درآمد کا وقت گزرے ایک سال ہونے کو ہے مگر کسی ذمّہ دار کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ عدالتِ عظمیٰ کی ہدایات کی سب سے نمایاں حالیہ خلاف ورزی اقوام متّحدہ میں وزیر اعظم کی انگریزی میں تقریر ہے۔ کیا تقریر اردو میں کرنے پر بھی کسی مزید تیاری یا ضابطے کی ضرورت ہے۔ آئین کی متعلقہ شق نمبر ۲۵۱ پر عمل درآمد کے لیے قومی اور صوبائی مقنّنہ میں قانون سازی نہیں ہوئی۔ قانون پر عمل درآمد میں ناکامی پر انضباطی کارروائی کے بغیر کوئی قانون موَثر نہیں ہو سکتا۔ نیّت اور ارادہ ہو تو مقتدرہ قومی زبان کی سفارشات کے مطابق انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو میں مقابلے کے امتحانات کی اجازت سے اردو کا نفاذ جلد ممکن ہو گا۔ اس سے بھی پہلے آئین کی شق ۲۵۱ کی خلاف ورزی میں قومی تعلیمی پالیسی ۲۰۰۹ء میں انگریزی کو ذریعۂ تعلیم کے طور پر رواج دینے کی شق منسوخ کی جائے تو ہماری انتظامی مشینری میں شامل ہونے والے افسران اور عملے کی اردو آغازِ ملازمت سے ہی بہتر ہو گی اور وہ اس زبان کو بطور دفتری زبان استعمال کرنے میں مشکل محسوس نہیں کریں گے۔ ترجمے میں حائل سب سے سنگین رکاوٹیں انتظامی نوعیت کی ہیں۔ مترجمین کے مسائل بھی انہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس بارے

میں محض سیاسی نیت درست کرنے اور زبانی ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔

مترجمین مسلسل محنت اور تجربے سے ترجمے کے مسائل پر قابو تو پاسکتے ہیں لیکن بطور مترجم اپنے پیشے کو درپیش مسائل پر قابو پانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ترجمے سے متعلقہ ادارے مالی اور انتظامی ابتری کا شکار ہیں۔ وہ مترجمین کو ان کی محنت کے مطابق معاوضہ دینے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ کام کا فقدان اور کام ملنے پر معمولی معاوضہ ان کی حوصلہ شکنی کے دو بڑے اسباب ہیں۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ ان کی محنت کا کسی اور طرح سے اعتراف بھی نہیں کیا جاتا بلکہ ان کے کام کو دوسرے درجے کا کام سمجھا جاتا ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر ترجمے کی مشکلات اور مترجمین کے مسائل کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ انتظامی اقدامات اور مطلوبہ مالی وسائل کی فراہمی کے بغیر کل وقتی تجربہ کار مترجمین کی خدمات کا حصول اور نئے مترجمین کی تربیت ممکن نہیں۔ بطور ایک جدید علم ترجمہ نگاری کے ارتقا کے لیے بھی ترجمے کو معاشی لحاظ سے مفید اور کارآمد بنانے کی خاطر ترجمہ نگاروں کے لیے اداروں میں بہتر گریڈ کی اسامیاں پیدا کی جانی چاہئیں۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ترجمہ کاری فن بھی ہے اور علم بھی۔ علوم ترجمہ کے نظریہ ساز پیشہ ور مترجمین ہیں۔ اس لیے بھی ترجمہ کاری اور علوم ترجمہ کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔

ہم بار بار سن چکے ہیں کہ آئین کی شق ۲۵۱ بھی موجود ہے اور سپریم کورٹ کی اردو کے نفاذ کے حق میں اقدامات کی ہدایات بھی۔ صرف پہلے سے موجود اداروں کی علمی آزادی بحال کر کے انہیں مالی اعتبار سے آسودہ کرنے اور انتظامی طور پر مستحکم بنا کر اردو کے نفاذ میں حائل رکاوٹیں دور کرنے کے عمل کا آغاز ہو جائے گا۔ اُردو زبان کے بطور دفتری زبان نفاذ کے جواز پر کانفرنسیں منعقد کر کے بحث نئے سرے سے شروع کرنے کا موقع نہیں رہا۔ اب عدالتِ عظمیٰ اور آئین کی پیروی میں بزن کا وقت ہے۔

اردو کے نفاذ کے لیے سب سے زیادہ موثر انتظامی اقدام مقابلے کے امتحان کی انگریزی کے علاوہ اردو میں بھی اجازت ہوسکتا ہے۔ اس سے بھی پہلے ذریعۂ تعلیم کے طور پر اردو کو دوبارہ رائج کر دیا جائے تو آئندہ اردو میں ملازمین کی تربیت بھی ضروری نہیں رہے گی اور ہمارا ہر طرح کا بیانیہ بہتر سے بہتر ہوتا جائے گا۔ کیا معلوم اس سے اردو سے واقف بیوروکریسی کا رویہ بھی اردو کے حق میں خوشگوار ہو جائے۔

اردو ترجمے کے بارے میں اتنی تمہید، تفصیل اور تکنیکی موشگافیوں کے باوجود مجھے اپنی پہلی بات ہی آخری لگتی ہے کہ اردو کو دفتری زبان بنانے کے لیے ترجمے کی نہیں اردو میں سوچنے، سمجھنے اور لکھنے کی ضرورت ہے۔ سوال صرف اور صرف ارباب اختیار کی نیت اور ارادے کا ہے کہ وہ آئین پاکستان کے احترام میں اردو کو نافذ کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ سابقہ اور حالیہ دکھاوے کے اقدامات سے مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ اردو کو بطور دفتری زبان یا ذریعۂ تعلیم نافذ کرنے کے لیے تیار ہیں۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا، اردو کو دفتری زبان کے ساتھ ساتھ ذریعۂ تعلیم کے طور پر نافذ کیا جانا بھی لازمی ہے لیکن اس سلسلہ میں پالیسی سازی اور قانون سازی انگریزی سے مرعوب اردو مخالف لوگوں کے اختیار میں ہے اور وہ لوگ ایسا کیوں چاہیں گے۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

کلیاتِ اقبال،
ص:۵۴۸

اگر قبول کرے دینِ مصطفےٰ انگریز
سیاہ روز مسلماں رہے گا پھر بھی غلام

کلیاتِ اقبال،
ص:۵۷۲

آئین کی متعلقہ شق پر عمل درآمد میں جتنی تاخیر کی جا چکی اتنی ہی زیادہ پیچیدگیاں اور رکاوٹیں اس ضمن میں پیدا ہو چکی ہیں۔ انہیں دور کر کے اردو کو نافذ کرنا اتنا آسان بھی نہیں رہا۔ عدالتِ عظمیٰ نے بہرحال اپنا فرض ادا کر دیا کیونکہ متعلقہ ادارے اس ضمن میں اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام ہیں اور اپنے ہی بُنے ہوئے جال میں ہنسی خوشی پھنس چکے ہیں۔

حواشی

1. Baker, Mona: In Other Words, Routledge, London, 2011, p2.

۲۔ حامد میر بنام وفاقِ پاکستان، ۲۰۱۳ء، بحوالہ SCMR، مشمولہ آئینی عرضی، ۲۰۱۲ء۔

۳۔ قومی اردو لغت، مرتبہ: جمیل جالبی، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲ء اسلام آباد، ص: ۲۲۳۵۔

۴۔ مقدمہ حامد میر بنام وفاقِ پاکستان، حوالہ مذکور، ص: ۶۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان، شق نمبر (۳) ۲۵۱۔ قومی اسمبلی پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۴۸۔ طبع پنجم، اسلام آباد۔

7. http://en.wikipedia.org/wiki/urdu

۸۔ ایضاً

۹۔ ترجمہ کاری کے مختلف طریقوں، مرحلوں اور اخلاقیات کے لیے دیکھیے:

(i) In Other Words by Mona Baker, Routledge, London, 2011

(ii). Translation Studies by Susan Basnett, Routledge, London, 2002

۱۰۔ دیکھیے: اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، مرتبہ: اعجاز راہی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص: ۱۶۱ تا ۱۹۱